

منشی جی

سمیع بزدار

منشی جی

از قلم سمیع بزدار

Published by: Safar-e-Adab Publications

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

publishihg@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab Publications, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

منشی جی کے تمام جملہ حقوق لکھاری " سمیع بزدار " کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

منشی جی کے نام جنھیں بارہ سو کی لوٹ مار گلے پڑ گئی!!!

ہر آدمی کی زندگی میں کچھ ہنس مکھ۔ فراڈی۔ چال باز مگر مخلص لوگ ہوتے ہیں جو چند چند کو ملتے ہیں ہمارے نصیب میں پڑے منشی جی حضور والا پتلے سے درمیانہ قد سر پر مسجد والی ٹوپی (صرف مسجد تک) داڑھی مونچھیں صاف اور تیز تیز رفتار۔ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے بس نام تک جانتے تھے مگر زیادہ معلومات نہیں تھیں کہ کرتے کیا ہیں۔ ملاقات کا سلسلہ کچھ یوں ہے کہ ہم مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کے بیٹھے یہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ ہم خاموش بیٹھے ہیں منشی جی نے ہماری طرف دیکھا ہم نے ان کی طرف پھر منشی جی نے منہ پھیر لیا۔ پھر دیکھا پھر منہ پھر لیا۔ ہم ٹھہرے تجسس کے مارے ہوئے جاسوس سو منہ کھول کر ان کی طرف دیکھا۔ خیر منشی جی نے ہاتھ نچا کر تیز لہجے میں پوچھا کیا ہے۔؟ ہم گھبرائے کہ کچھ نہیں۔ پھر خود مسکراتے ہوئے کہا کہ پانی لے آو۔ ہم نے عرض کیا کہ حضور مسجد میں پینے کے پانی کا انتظام نہیں۔ ساتھ بیٹھا لڑکا جو ان سے متعارف تھا ہمیں دیکھ کر برابر مسکرائے جا رہا تھا ہم حیران کہ یاالٰہی آخر ماجرا کیا ہے۔ منشی جی نے حکم دیا کہ پانی والی ٹونٹی سے پانی بھر لاو سو ہم حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاموشی سے اٹھے اور کڑوے پانی سے گلاس بھر لیا۔ مگر کیا دیکھے کہ وہ تو نماز میں مشغول ہیں۔ ہم پانی کا گلاس لیے اب کھڑے ہیں وہ نماز نہیں چھوڑتے۔ نماز کے بعد کہا کیوں کھڑے ہو۔ عرض کیا کہ آپ نے پانی کا ارشاد کیا۔ اک دم سے پھٹ پڑے کیا بلا ہے پچھے پڑے ہو نہیں پینا پانی۔ کس نے کہا تم کو پانی کا۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا حضور آپ نے۔ نہیں میں نے

نہیں کہا۔ لے جاو پانی۔ ادھر ہماری حالت کاٹو بدن تو لہو نہ تھا۔ پیچھے بیٹھے لڑکے ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوئے۔ اور منشی جی پیر ہلاتے نکل گئے۔ سو یہ تھی پہلی ملاقات باقی ائیندہ انشاء اللہ۔ جو کہ ان کی یادوں اور ماہ رمضان میں کئی گئی بد معاشوں قہقوں مزاکوں اور لطف انگیز باتوں سے بھرپور رہے۔

☆☆☆☆☆

منشی جی سے ہماری دوسری ملاقات اگلے روز ہوئ۔ ہم قریبی کریانے کی دکان میں داخل ہوئے زور سے سلام عرض کیا۔ تو وعلیکم السلام کے بدلے وہاں بیٹھے منشی جی نے زور سے زنانیوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا لو جی اک اور آ گیا اب اسے دیکھو۔ اور پھر پوچھا ہا بھئ (اپنے مخصوص انداز میں لہجہ تیز بھنویں اٹھی ہوئ سوالیہ انداز میں اور چہرے پر مسخرے کی طرح اور تھانیداری انداز کی عیاری) ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ چیز لینے آیا ہوں۔ منشی جی اچھا! لو چیز۔ ہم نے خاموشی سے روپے پکڑائے اور سامان لے کر جانے لگے تو ارشاد کیا کہ تو بڑا دھنتر بنتا ہے۔ تمھارا چاچا جو کہ پٹواری ہے۔ ہم نے طوطے کی طرح گردن ہلائ جی جی۔ کہنے لگا وہ پٹواری ہے نا! بڑا مچھڑ بنتا تھا۔ جب میرے پاس کچہری میں آیا تو میں نے بھی رعایت نہیں دی اور چھری مار کر

کاٹ دیا۔(مطلب کہ لوٹ لیا)اور منشی جی نے ہاتھ یوں ہلایا کہ جیسے کسان فصل کاٹتے وقت اپنے تیز دھارا آلے گھماتے ہیں۔ یا قصائی گوشت کاٹنے سے پہلے چاقوں کو آپس میں رگڑتے ہیں۔ اور پھر منشی جی نے اشارہ کرتے ہوئے دکان دار کو مخاطب کیا کہ تو بھی تو آیا تھا بتا کہ کاٹا کہ نہیں۔ دکان دار نے دور سے ہاتھ باندھے بابا سائیں ہمیں معافی دو پہلے دھندا مندا چل رہا ہے اوپر سے تم آجاتے ہوں۔ منشی جی نے خباثت سے دانت نکالے اور خاموش ہنسی ہسنے لگا۔ پھر دکان دار کے کاونٹر میں ہاتھ ڈال کر نسوار نکالی اور تھوڑی سی منہ میں رکھی۔ دکان دار چلایا سائیں پیسے۔ منشی جی نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے کہا لکھ دور جسٹر میں کبھی دے دو گا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور مخصوص انداز میں ارشاد کیا کہ اگر کچہری کام ہو میری طرف مت آنا۔ ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے جو آپ کے متھے لگے گئے۔ منشی جی ہاں ہاں دیکھ لیں پھر پچھتانا نہیں۔ بڑوں بڑوں کا ہمارا نام سن کر پتا پانی ہو جاتا ہے اور تم کہا ٹک سکو گے جاوں ذرا پوچھ لو باقی لوگوں سے کہ منشی جی کوئی عام بندہ ہے۔ پھر منشی جی نے رخ موڑا اور گھر کی طرف اک نئی شان و انداز سے چلنے لگے۔ اور ہم دکان دار سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے۔۔

منشی جی کی گالیاں عیاریاں بالکل عمرو عیار کی طرح اور منشی جی نے رمضان میں مسجد میں مغرب کے وقت قدم نہ رکھنے کی دھمکی کیوں دی۔؟

☆☆☆

ہم دکان دار سے منشی جی کی معلومات لینے کیلئے رکے۔ دکان دار نے انگلیوں پر تھوک لگایا اور گلے سے روپے نکال کر ترتیب دینے لگا۔ پھر بولے کہ یہ منشی گیری کا کام عدالت میں کرتا ہے بہت چلاک اور دھوکہ باز ہے۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کو چونا لگایا؟ دکان دار نے نوٹوں کو گن کر رکھا اور کہنے لگا عدالت کا اک کام تھا میں نے سوچا کہ یہ ہمسایہ ہے اچھی طرح کرے گا مگر اس نے سو روپے والا کام ہزار میں کیا۔ ہم تیزی سے وہاں معلومات لے کر نکلے۔ تھے تو فارغ پڑھائی میں دل نہیں لگتا تو مسجد کی طرف جاتے وہاں ہمارا استاد حافظ صاحب بیٹھے ہوتے وہ عدالت میں کام کرتے تھے ساتھ میں اخبارات کا ہمارا تعلق ان سے دو کتابیں تحفہ ملنے پر ہوئی بقول حافظ صاحب کے انہیں یہ کتابیں کسی نے دیں۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ کیوں نہیں مطالعہ کرتے۔ کہنے لگے قرآن مجید پڑھنے میں لطف آتا ہے باقی کتابوں کا وقت نہیں چونکہ تم مطالعہ کرتے رہتے ہو سو یہ کتابیں تمھیں دے دیں۔ ہم عصر کی نماز پڑھنے کے بعد بیٹھے تھے کہ منشی جی نمودار ہوئے وہ صبح عدالت جاتے دن بھر لوگوں کی جیبیں کاٹتے اور پھر مسجد بخشوانے آجاتے۔ ہم حافظ صاحب سے گفتگو میں لگ گئے وہ ہر فن مولا تھے اپنے واقعات سناتے ہم بیٹھے ادب سے منسلک سوسنتے

آتے اور لطف آتا۔ نماز کے بعد منشی جی منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہیں بیٹھ گئے ہم اٹھے اور دونوں ہاتھوں سے ادب سے سلام کیا۔ منشی جی نے بڑبڑاتے منہ کے ساتھ بھنویں اوپر اٹھا کر ہمارا ایکسرے کیا اور پھر چہرے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے سلام لیا۔ ہم نے مزید جرات کی اور حال احوال دریافت کیا تو بکرے کی طرح جو گھاس کو دیکھ کر سر ہلاتا ہو کی طرح سر ہلانے لگے۔ اور کہنے لگے تم میری بات مانا کرو رمضان میں افطار کے وقت مسجد آنے دوں گا ورنہ الٹے پیر واپس۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو افطار گھر کرتے ہیں۔ کہنے لگے چھوڑو بس تم میری بات مانو وگرنہ مسجد میں قدم نہ رکھنے دوں گا۔ ہم نے فرمانبرداری سے جی جی کیا۔ منشی جی چل دیے۔ ہم کھسک کر حافظ صاحب کے پاس چلے گئے وہاں وہ اپنی لکھت پڑھت میں مصروف تھے ہم نے منشی جی کے بارے میں پوچھا تو کہا خیر ہوئے کیسے کیسے اس کے بارے میں۔ ہم نے داستان گوش گواری۔ حافظ صاحب مسکرائے اور کہا کہ احتیاط رکھنا بندہ چالو ہے۔ خود غرض ہے پورے عدالت میں مشہور ہے تم بس دھیان کرنا پیسوں کا لین دین اس سے مت کرنا۔

مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور ہم اگلی صف میں بیٹھے تھے جماعت کھڑی ہوئی ہم نے بزرگوں کو جگہ دی پیچھے منشی جی آ گئے انہوں نے بزرگوں کی پیٹھ پیچھے کھڑے ہو کر ان کی نقلیں اتاری کسی کو دیکھ کر ڈرتے اور کسی کو پیچھے سے مارنے کا اشارہ کرتے۔ ادھر ہماری ہنسی کنٹرول نہیں ہوتی

تھی منشی جی فاتحانہ انداز میں نماز ادا کی اور سلام پھیرتے ہی ہماری طرف بکرے کی طرح کئی مرتبہ سر ہلایا جوابا ہم نے بھی سر ہلایا۔ اس کے بعد لوگ سنتیں پڑھنے میں مشغول ہوئے منشی جی نے ان کی نقلیں اتارنی شروع کر دیں کبھی ہماری طرف دیکھ کر بچوں کی طرح مزاحیہ شکلیں بناتے کبھی جماعتیوں کی شامت آتی۔ ہم ہنس کر لوٹ پھوٹ ہو گئے ہنسی کا قہقہہ بلند ہوتا دیکھ کر کئی نمازیوں نے ہماری طرف دیکھا۔ ہم گھبرائے اور جلدی سے مسجد سے باہر نکل گئے

منشی جی اتنے کنجوس کیوں۔

وہ منشی ہوتے ہوئے کار کیسے رکھتے تھے

اور ہماری جیبوں کی تلاشی کیوں لیتے

اور ہر آئے گئے کو تنگ کیوں کرتے۔؟

☆☆☆

اگلے روز ہم منشی جی سے نماز کے بعد ملے تو اشارہ کر کے کہا کہ ذرا باہر دکان تک چلو ہم فرمانبرداری سے ان کے ہم نقش قدم پر سر جھکا کے چل دیے۔ دکان پر پہنچتے ہی آڈر کیا کہ چلو پیسے نکالو چیز لیتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم کیوں دیں۔ کہنے لگے اکٹھے کھاتے ہیں۔ اچھا چلو بیس روپے نکالو۔ ہم نے سوچا اتنی زیادہ رقم نہیں چلو کچھ نہیں ہوتا بیس روپے دکان دار کو پکڑائے اور چیز خریدی کچھ خود کھایا کچھ ہمیں دیا۔ ہم نے ذرا ہمت کی اور پوچھا کیا گھر میں کھانا نہیں ملتا کیا؟ بولے ہاں ڈالتے ہیں بکری کی طرح سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ان کی اک بات تھی کہ وہ کہتے تھے کہ ڈال دو یہ نہیں کہتے کہ دیتے ہیں۔ ادھر ہمیں اکٹھے کھڑا دیکھ کر اک بزرگ جو کہ گزر رہے تھے ہمیں دیکھ کر چونکے کہ کیا کر رہے ہوں۔ جواب دیا کہ چیز خرید رہے ہیں۔ بزرگ نے ہاتھ باندھ کر منشی جی کو مخاطب کرتے ہو کہا۔ خدا کا نام لو یہ بیچارا طالب علم ہے اسے چھوڑ دو کہا سے تمھارے خرچے بھرے۔ منشی جی نے خباثت سے دانت نکالے اور کہا کہ ہم تھوڑی ساتھ لایا ہوں خود آیا ہے۔ بزرگ نے ہاتھ باندھ کے کہا کہ بچہ خدا کا واسطہ ہے کہ اس سے دور رہو ہم تنخواہ دار ہو کر اس کے خرچے نہیں بھر سکے تم کہاں سے بھر سکو گے۔ منشی جی نے کہا اچھا مجھے گھر تک چھوڑتے او۔ ہم نے کہا کیوں جی یہ تو ہے آپ کا گھر چلے جاو۔ کہنے لگے چل میرے ساتھ۔ ہم چل دیے راستے میں گلی سے گزرے تو اک غریب کے گھر کے باہر

کھڑے ہو کر زور سے کہا۔ بابا اللہ کے نام سے کچھ دے دو۔ پھر سر سے ٹوپی اتار کر سامنے کی کہ مسجد سے آئے ہیں مسجد کا چندہ دے دیں۔ وہ غریب پہلے تو ڈرا پھر کہا کہ خدا کا نام لو گھر میں کچھ نہیں نکل جاو کہا سے مصیبت سے پڑی۔ منشی جی نے چند گالیاں دیں اور آگے بڑے۔ ادھر اک بچہ گلی میں دوسرے لڑکے سے بنٹے کھلتے ہوئے چلایا تو منشی جی نے زنانیوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا چپ کر اوراسخ کا بچہ کھوتے کا بچہ بچہ ڈر کر سہم گیا۔ ہم نے کھکھلا دیے۔ منشی جی نے بری نظر سے ہمیں دیکھا اور مارنے کا اشارہ کیا۔ ہم نے چاپلوسی سے کہا استاد جی معافی دے دو۔ منشی جی نے فخر سے سر اونچا کیا اور گھر داخل ہو گئے۔ ہمیں کھڑا دیکھ کر کہا کہ بھر جائی سے ملاقات کرنی ہے کیا۔ چائے پانی لگوا دو کیا؟ ہم شرمندہ ہوئے اور چل دیے۔ منشی جی نے زندگی میں صرف دو مرتبہ چیز کھلائی وہ بھی اپنے پیسوں سے دو مرتبہ چپس کھلائی صرف تیس تیس کی اور آخری می چپس کھاتے ہوئے مجھے دیکھ کر کہتے کہ اتنی گرم گرم چپس جلدی جلدی کیسے کھا لیتے ہو۔ ہمیں پتہ تھا کہ جلدی جلدی کہا لیں پھر کبھی نہیں کہلائے گا۔ اور آخر میں تھوڑی چپس بچتی تو مٹھی میں بندھ کر کہ کہتے اب بس اب میری ہے۔ بالکل بچوں کی طرح۔ منشی جی نے کے ساتھ اگر ہم نماز پڑھ کے نکلتے تو گلی کے چوک پر پہنچ کر میری جیبیں پکڑ لیتے اور کہتے کہ چل مال نکال۔ ہم خاموشی سے بٹوا نکال دیتے وہ چیزے نکال کر بچوں کی طرح پھینکتے اور پیسے پکڑ لیتے۔ ہم دھائی دیتے کہ بھائی دودھ کے ہیں فلاں کام کرنا ہے مگر منشی جی کچھ پیسے نکالتے اور کہتے چل چیز کھاتے ہیں اور

دکان سے چیز لیتے کچھ ہمیں دیتے پھر کہتے چل ہمیں گھر چھوڑ او۔ منشی جی کے پاس دو گاڑیاں تھی اور وہ ہفتے کے آخر میں پندرہ ہزار کا فضول خرچ کرتے حالانکہ وہ منشی تھے اور تنخواہ صرف تیس ہزار باقی پیسے ہر روز عوام کی جیبیں کاٹ کر لے آتے۔ ہر روز خوش ہو کر بتاتے کہ آج اتنی روزی لگی ہے۔

☆☆☆

منشی جی عام طور پر ہسانے پر ملکہ رکھتے تھے بات اس انداز میں کرتے سامنے والے کی بے اختیار ہنسی چھوٹ جاتی اور وہ یہ حربہ نماز کے وقت استعمال کرتے جو نہی کوئی نماز پڑھ رہا ہوتا تو قریب جاتے اور کہتے گیا یہ تو گیا ہنس رہا ہے تو تیری نماز ٹوٹ گئی اور پھر کہتے تم ہٹو یہاں سے جاو امام کے ساتھ کھڑے ہو جاو۔ ان کا اتنا کہنا ہوتا سامنے والا قہقہہ لگاتا اور نماز توڑ دیتا کیونکہ ان کا انداز ہسنے پر مجبور کر دیتا۔ ہم اکثر فرض نماز پڑھ کے بیٹھ جاتے کہ منشی جی پڑھ لیں ان کے پیچھے ہم پڑھ سکے تاکہ یہ ہنسائے نہ اور ہم نماز ادا کر لیں۔ منشی جی نے پہلے رمضان کو عصر کے وقت کہا کہ مغرب کی آزان سے پہلے آجانا خاموشی سے کسی کو ساتھ مت لے کر آنا۔ ہم مسجد پہنچے وہاں حجرے میں منشی جی براجمان تھے۔ ہم وہاں بیٹھے گئے برتن پہلے سے دھلے رکھے تھے۔ ادھر کوئی

کچھ لے کر آتا تو منشی جی کہتے جاو لے کر او اور ترتیب دیتے جاتے۔ جونہی افطاری کا وقت قریب آیا تو گلی محلے کے بچے اکٹھے ہو گئے۔ تو منشی جی کسی اژدھے کہ طرح بلبلا اٹھے اور کہا خبر دار کوئی آنے نہ پائیں الو کے پٹھے راسخ کے بچے چلو نکل جاو۔ بچے کہتے ہمیں روزہ ہے منشی جی کہتے اپنے گھر نکل جاو۔ ہمیں آڈر کیا کہ دروازہ بندھ کر دو۔ دروازہ بیچارا اپنی عمر طبعی کھو چکا تھا بمشکل چوکھٹ پر آڑا ہوا تھا ہم نے سوچا کچھ اور زور دیا تو ٹوٹ جائے گا۔ آذان ہوئی ہم کھانے میں مشغول ہوئے تو منشی جی باز نہ آئے ادھر بچوں کو گالیاں دیتے ادھر روٹی منہ میں لیتے تو ادھر پانی منہ میں انڈیلتے ذرا فرصت ملتی تو ہمیں گھورتے اور ہنساتے۔ ہم پانی پینے لگتے تو پھر ہسانے ان کی کوشش تھی کہ ہم کم کھا سکے۔ وہ اس انداز میں کہتے کہ ہم ہنس ہنس کر گر جاتے۔ مجھے اب یاد آتی ہے تو بے اختیار قہقہے بلند ہوتے ہیں جونہی بچے کو بچا کچا کھانے کے لیے چھوڑ دیا تو منشی جی نے جلدی جلدی مال کو حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا بس اب کچھ نہیں بچتی اب بڑے راسخ آ گئے۔ بچے کہتے پانی تو منشی جی بپھر کے کہتے نہیں ہے کربلا ہے یہاں۔ جاو جس کو پانی پینا ہے ٹینکی بھری پڑی ہے ٹوٹی سے جا کر پی لے۔ یہاں کوئی میلہ لگا ہوا ہے۔ چلو نکلو یہاں سے پھر مجھے کہتے کہ نماز کے بعد ملنا۔ ہم خوش ہوئے کچھ رکھا ہو گا کھانے کو مل جائے گا۔ ہم نماز پڑھ کر منشی جی کے پاس پہنچے تو کہا کہ حجرے میں چلو۔ وہاں داخل ہوئے تو کہا کہ چلو برتن دھونے ہیں۔ ہم سے برتن دھلوائے۔ جب دھو چکے تو کہاں چل اب ذرا سڑک کا چکر لگائیں۔ اور راستے میں مکمل باتیں کرتے گزرتے

لوگوں پر تنقید کرتے اور ہمیں ہنساتے۔ کبھی ناراض بلی کر طرح ہمیں ہسنتے دیکھتے تو کہتے دانت اندر کرو گر نہ توڑ دو گا ہر وقت تمھارے شش باہر ہوتی ہے۔

☆☆☆

منشی جی نے اگلے روز پھر مسجد بلایا تو پہلے ہی درخواست کی کہ برتن ہم نہیں دھوئے گے مرضی آپ کی جو ساتھ بٹھائیں یا نہیں۔ کہنے لگے بیٹھ جا۔ ہم بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزرا تو افطاری ک سامان آنے لگا تو منشی جی ہمیں کہتے جا و لے آو۔ جب کوئی اچھی چیز آتی تو کہتے اسے کیا کریں تو اپنے گھر جا اور رکھ کر آ۔ ہم نے عرض کیا وہاں بڑے راسخ بیٹھے ہیں ہمیں بے فارم پر کھانا ملتا ہے اگر یہ وہاں رکھ دیا تو واپسی کی امید موت ہے۔ سوچا کہ پھر کیا کریں۔ ہم نے عرض کیا کہ یہی حجرے میں چھپا دیتے ہیں۔ جلدی سے ہم نے چیزوں کو پردے کہ پیچھے کر دیا۔ اب اس دن کھجوریں کچھ زیادہ تھی ہم نے دو اٹھائیں تو کہنے لگے لعنتی چوری کرتا ہے جیبوں میں چھپا کر لے جاتے ہو شرم نہیں آتی۔ ہم نے جلدی سے جیبیں ان کے سامنے خالی کر دی۔ پھر تسلی سے کہا کہ یہی کھجوریں اٹھالو پھر کام آئی گئی جلدی کر چھپالے۔ ہم نے وہ کھجوریں پس پردہ کر دیں۔ جونہی آزان ہوئی تو ہم نے پانی کو منہ لگایا تو منشی جی نے جلدی جلدی پکوڑے کو نچوڑا۔ ہم وہاں

تک ہاتھ لے جاتے تو منشی جی کسی اور چیز کو کھا چکے ہوتے۔ ان کا یہ انداز ہماری سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ منہ اور معدہ کو جوسر مشین سمجھتے تھے ایک بار میں کھجوریں پکوڑے پھر سموسے پھر سالن پھر اسی منہ میں میٹھا شربت والا پانی پھر دوبارہ سالن روٹی کو کاٹتے۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ ذائقہ نہیں محسوس کرتے کہنے لگے اتنا وقت کہاں بس جلد جلدی مال اندر جائے باقی وہ خود سنبھالے گا۔ اک دن شاید کچہری سے تھک کر آئے ہوئے تھے تو کہنے لگا آج شور مت کرنا میری آنتیں سوکھی پڑی ہیں۔ ہم نے جلدی جلدی مال کو انڈیلا تو منشی جی چلائے ارے ارے راسخ کے بچے مجھے کچھ دو میری آنتیں سوکھی پڑی ہیں انہیں تو تر ہونے دو۔ ادھر بچے چلائے ہمیں اندر آنے دو۔ منشی جی نے مسجد کے ہجرے میں بیٹھے بیٹھے ڈز ڈز ٹاپ کلاس گالیاں آڈر کی۔ بچے بھی ماشاء اللہ پورے سورے تھے سو جوابا انہوں نے بھی منشی جی کی پشتوں کو لتاڑ ڈالا۔ منشی جی کھانے کے وقت سب کچھ برداشت کر لیتے سو چپ کر کے ان کی فضیلتیں سنتے رہے۔ ادھر اک بزرگ بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ بچوں کو آنے دو۔ منشی جی نے کھا جانے والی نظروں سے بزرگ کو دیکھا اور کہا کہ تم کھاو زیادہ شوق ہے گھر لے جاو۔ پھر رات کو برتن دھوتے ہوئے کہا کہ اس کا کام کرتا ہوں صبح سحری میں دھی میں زہر ڈال کے دو گا بڈھا کا ٹائی ٹائی فش ہو گا میں کہوں گا مجھے کیا پتہ کیسے مرا دھی تو محلے سے آئی تھی۔ پھر کہنے لگا سمیع آج بڑی روزی لگی ہے۔ ہم نے پوچھا ہائے کیسے؟ بولے آج کچہری میں اک آدمی کا کام کیا تو اس نے ایک من چاول کا آٹا

لا کر دیا۔ ہم نے کہا واہ آپ کے تو مزہ ہو گے کچھ عرصے کا روٹی کا خرچہ بچ گیا۔ کہنے لگے واہ میں کہار کھنے والا تھا پھر ہنستے ہوئے کہا کہ چکی والے کو بیچ آیا ہوں 3500 ہو گئے میرا کام بن گیا۔

☆☆☆

منشی جی نے زندگی میں اپنے پیسوں سے کچھ نہیں خریدا۔ جو کچھ چاہیے ہوتا ادھر ادھر ہاتھ۔مار لیتے۔ اگر وہاں کام نہیں چلتی تو کچہری میں کسی تگڑی آسامی کو گھیر لیتے اور خوب مال نچوڑتے۔ اک مرتبہ پیشی پر اسے ملتان لے جایا گیا تو اس نے گوشت سے نیچے کھانے پر انکار کر دیا اور مال کو خوب رگڑا۔ ایک اور مرتبہ اس کی طبیعت خراب تھی اور ملتان سے واپسی پر اس کی طبیعت ہلکی خراب ہوئی تو منشی جی نے آسامی سے کہا کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ ہم نے حیران ہو کر پوچھا ہائے وہ کیوں ڈاکٹر کے پاس لے چلے۔ ہماری طبیعت اگر کہیں خراب ہوتی ہے تو ہم گھر آتے ہیں اور خود ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ مزید کہ منشی جی نے دانت نکالتے ہوئے بتایا کہ اس نے آسامی سے کہا اب اسے دوائی بھی لے کر دو۔ ہم نے سر کا ہاتھ مارا اور کہا کہ منشی جی کے شر سے خدا ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ منشی جی شرارتوں سے بھرپور تھے اگر لوگوں کو تنگ کرتے تھے اک مرتبہ اک سیب ہاتھ میں تھا ہم نے پوچھا کہاں سے لے آئے ہو۔ آج خرچہ کیسے

کیسے۔ منشی جی نے دھنتر بنتے ہوئے کہا کہ ہائے ہم خرچہ کریں یہ ہو سکتا ہے۔ کہنے لگے کہ کرایہ دار بیچارا سیب کا شاپر موٹر سائیکل پر لٹکا کر دروازہ کھولنے گیا تو ادھر میں نے ہاتھ مار لیا۔ ٹھیک اسی طرح ایک مرتبہ کچہری میں اک دوست اس سے چائے پینے آئے تو نسوار بھی چائے میں ملا دی۔ اس کے منشی جی نے ہنس ہنس کے دوہرے ہوتے ہوئے کہا کہ اس بیچارا نے چکر کھاتے ہوئے کھا کہ مجھے رستے کا بتادو شمال جنوب کس طرف ہے۔ اور ایک مرتبہ اس کا کوئی مہمان آیا اور کہا کہ کچہری کس طرف ہے منشی جی نے کہا کہ کچہری تو بہت دور ہے موٹر سائیکل میں پٹرول ڈلوانا ہو گا۔ اس بیچارے نے ٹینکی فل کروادی۔ تو منشی جی نے اسے ادھر ادھر گھما کر کچہری پہنچایا تو اس نے کہا کہ یہ جگہ دیکھی دیکھی معلوم ہوتی ہے۔ منشی جی نے کہا کہ ڈیرہ غازی خان شہر ہی ایسا ہے ہر جگہ دیکھی دیکھی معلوم ہوتی ہے۔ اور بعد میں وہ فارغ موٹر سائیکل چلا چلا کر پیٹرول سے بھری ٹینکی ختم کرنے کی کوشش میں تھے۔ منشی جی نے رمضان میں ہی لوگوں کو بدھو بنایا ہوا تھا اس نے اک نائی کو کہا کہ وہ حافظ القرآن ہے اور مسجد میں تراویح اور جماعت کرواتے ہیں حالانکہ کہ منشی بالکل کلین شیو تھا یہ اور بات تھی کہ مسجد والی ٹوپی سر پر تھی۔ وہ ہر ہفتے جا کر نائی سے مفت بال کٹواتا شیو کرواتا اور فشل بھی ایک دن نائی نے پیسوں کا تذکرہ کیا تو منشی جی نے کہا کہ پیسے چھوڑو تم افطاری بھجوادو گا۔ حجام بیچارا چپ کر گیا۔ منشی جی نے افطاری کے بعد بچے ہوئے چاول ٹرے میں ڈالے ہمیں کہا کہ چل اور ٹرے اٹھا خود وہ نوابوں کی طرح چلنے

لگے۔ رستے میں ہمیں تاکید کی کہ اسے حافظ بلانا۔ منشی نہیں۔ سمجھے اور پھر حجام کے سامنے مجھ سے کہنا کہ حافظ صاحب تراویح میں ختم کا موڈ کس دن ہے۔ جو نہی ہم دکان میں داخل ہوئے تو منشی جی نے خباثت سے تھپڑ مارا اور آنکھ کے اشارے سے ڈرامہ بازی کرنے کو کہا ہم سہم ہونے کی اداکاری کرنے لگے اور منشی جی نے آڈر کیا کہ چل سامان رکھ دے اور دکان والے کو کہا کہ کام چھوڑو پہلے کچھ کھالو۔ اب کھانے کسے عزیز نہیں سو وہ مال کو ڈکارنے لگے اور پیسوں کی بات بھول گئے یوں منشی جی دوسروں کو اس طرح چونا لگاتے تھے۔

☆☆☆

بہت سے دوستوں نے منشی جی کے حوالے سے اعتراض اٹھائے کہ کون ہیں فرضی کردار؟ حقیقت؟ اگر حقیقت تو بیان کیوں کر رہے ہوں؟ اتنا نقصان دہ۔

تو دوستوں منشی جی جیسے انسان اس دنیا میں نہایت کم ہیں۔ ہمت والے محنتی اور کام سے محبت کرنے والے اور چلاک۔ سچی بات تو یہ ہے لوگ ان کے معترف تھے۔ ایک رات کے وقت عشاء کی نماز کے بعد شاید ہم چہل قدمی کر رہے تھے منشی جی برابر باتوں سے ہنسوار کے تھے۔ منشی جی نے ہماری طرف دیکھا اور گالی دے کر کہا کہ نامراد تو خوش قسمت ہے کہ میرے ساتھ

گھوم رہا ہے وگرنہ لوگ میری منتیں کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چلو تمھارے ساتھ رہ کر ہنس ہنس کر ہمارا منہ خشک ہو جاتا ہے۔ حالیہ دنوں میں رمضان میں حجام کی دکان پر گیا تو اس نے دور سے استقبال کیا او جی بزدار صاحب کیا حال ہیں؟ ہم نے مسکرا کے کہا شکر الحمد اللہ۔ پھر سب نے یکجان ہو کر پوچھا منشی کدھر ہے؟ پھر خود کہا کچہری۔ ہم نے عرض کیا نہیں سائیں آج کل تونسہ شریف ہوتے ہیں۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا کرتے ہیں۔ ہم نے ادبا عرض کیا کہ وہاں مرغیوں کا فارم کھول رکھا ہے عیش کرتا ہے۔ اسی دوران ہم نے خاموشی سے سو روپے حجام کو پکڑائے یہ بھی منشی کی مہربانی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ مجھے بھی دھوکہ باز سمجھتے اور سوچتے کہ جتنا دیتے ہیں لے لو پھر یہی بھی کھا جائے گے۔ ہم بال کٹوانے بیٹھے تو حجام نے کہا کہ منشی منزل پکی کر رہا ہے۔

ہم نے کہا لاحول ولا قوۃ کون کسی منزل؟ اس نے کہا کہ منشی جی تراویح پڑھا رہا ہو گا قرآن کی منزل پکی کر رہا ہو گا۔ اب ہم کیا کر سکتے تھے اس نے خود کو امام مسجد بنا رکھا تھا عوام بھی بدھو بن گئی۔ ہم نے تھکے ہوئے پست لہجے میں کہا ہاں بس کر رہا ہے۔

ہم نے اچانک پوچھا منشی تم لوگوں کو پیسے دیتا تھا۔ وہ بولا کہاں کچھ بھی نہیں ہمیں زبردستی لینے پڑتے تھے۔ اس نے کہا کہ پچھلے ہفتے منشی آیا تھا فیشل کروا گیا پیسے نہیں دیئے اور گاڑی بھی سارا

وقت اسٹارٹ تھی بند نہیں کی ہم نے کہا کہ بند کرو پٹرول ضائع ہو رہا ہے۔ منشی نے کہا کہ ہونے دو ہمارے کونسے باپ کا ہے کچہری کا مال ہے جانے دو۔

ہم نے حجام سے وڈے استاد کس پوچھا گم ہے کام پہ نہیں آیا۔ اس نے کہا کہ منشی نے وڈے استاد کو بھی چونا لگایا ہے اسے وعدہ کر گیا کہ اسے فون دے گا۔ اس نے وڈے استاد کو فون کر کے کہ کہا کہ کوئٹہ حکمت اللہ ہوٹل پہ آجاو میں فون لے کر آیا ہوں وڈا استاد کام چھوڑ کر بھاگا۔ وہاں گیا تو منشی نے کہا ذرا چائے کا آڈر تو کرو۔ منشی نے چائے پی اور کہا کہ چلو بل بھرو۔ وڈے استاد نے خوشی میں بل بھرا اور منشی سے فون مانگا تو منشی نے بولا کہ یار افسوس فون تو گھر بھول آیا ہوں اب کیا کرو اچھا کچھ نہیں پھر لے آو گا وہ دن آج کا دن وڈا استاد اداس بیٹھا ہے۔ ایک دن روڈ پر ملا طبیعت پوچھی اور منشی کا نقل واقعہ سنایا اور اسے کوسا۔ ہم تو پہلے سے واقف تھے کہ دھوکہ باز ہے۔

منشی جی چھوڑتے کسی کو نہیں تھے۔ ایک مرتبہ ایک دوست کو ڈومیسائل بنوانے کی ضرورت پڑی ہم سے کہا کہ کوئی بندہ ہو کچہری کا کام ہے۔ ہم نے منشی کا نمبر دیا اور ساتھ میں کہا کہ احتیاط کرنا بندہ دو نمبر ہے پیسے ڈوبے ہم سے شکوہ نہیں۔

آخر کام ہمارے ہاتھ سے ہونا طے پایا منشی جی نے ہمیں ایسے شیشے میں اتارا پہلے کہا کہ پندرہ سولو گا۔ ہم خوش ہوگے کہ پانچ ہزار کا کام پندرہ سو میں ہو رہا ہے مگر پھر کہا کہ اتنا کام خود کرو باقی میں کر لو گا۔ ہم نے یہ بھی غنیمت جانا اور کام کر کے کے منشی کو کاغذات دیے اور منشی نے پیسے وصول کیے۔300 ہم کو کمیشن دیا اور 1200 خود رکھے پھر اگلے دن فائل لا کر دی کہ یہ کام یہاں نہیں ہو گا میں نے اٹیسٹیسن کروالی اور ڈاک والے پیسے بھی لگوا دیے تم لوگ بس جمع کروا دو کام ختم۔ڈومیسائل مل جائے گا۔ ہم نے دوست کو بلوا کر 300 واپس کیے کہ بچا لائے۔ دوست نے خاموشی سے وصول کیا شکریہ تک نہ کہا کہ اژدھے کہ منہ سے نکال لائے۔ خیر ہم نے یہ ذکر چھوڑا مہینے بعد دریافت کہا کہ کیا ہوا کام کا۔ اس نے کہ سمیع بھائی کیا بتاو وہاں نظام ہی کمپیوٹر والا تھا پھر سے دو ہزار لگ گئے مگر کام ہو گیا۔ ہم خاموش ہوگے کیا کریں مشورہ ہمارا تھا۔

☆☆☆

منشی جی کو رمضان میں مسجد والے اسپیشل بلواتے تھے منشی جی کھانے کا نظام سنبھالنے کے ماہر۔ کہ کیسے کس کو گالی دے کر باہر نکالا جاسکے۔ منشی کے پاس جب پکوڑے آتے تو کہتے سمیع جلدی کر جیب میں ڈال ہم ڈرتے ڈرتے عرض کرتے سائیں کپڑے خراب ہوتے ہیں۔ کہتے ڈال تیری

ایسی کی تیسی۔ پھر نماز کے بعد باہر نکل کر حساب لیتے کہ آدھے تمھارے آدھے ہمارے۔ ہائے گھر جا کر ہم کو گالیاں پڑتی۔

ایک واقعہ یاد پڑتا ہے کہ اعتکاف والے بیٹھے تھے حجرہ مسجد سے ملحقہ نہ تھا اعتکاف والوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی تو منشی نے کہا کہ دیسی گھی والی سویاں آئے گی وہ سنبھال لینا۔ ہم نے سنبھالی تو منشی نے کہا چل اعتکاف والوں کا چڑاتے ہیں۔ ہم نے ان کے سامنے کھانا شروع کیا اور منشی نے تیلی لگانا۔ وہ ہماری طرف کھینچنے کو لپکے مگر ہم جست لگا کر حجرے میں منشی جی ادھر کھاتے ساتھ میں ان کو تنگ کرتے۔ منشی کو تو کچھ نہیں کر سکے مگر ہم کو دھمکاتے ہوئے کہ تمھیں دیکھ لیں گے۔

☆☆☆

ایک مرتبہ ستائیں رمضان کو محلے کے بالاخانے والوں نے کچھ افطاری کا سامان بھجوایا ہم لینے گے ہم نے منشی سے کہا کہ یہ کھانا جائز ہو گا ہیں تو یہ فحاشی والے۔ منشی نہ کیا کہ تو نہ کھا کوئی بات نہیں میں خود سارا کھالو گا۔ خیر ایک بات مزے کی تھی ان کی روٹیاں سفید سفید شربت حد سے لال

اور سالن مزیدار تھاہم نے یہ منشی سے عرض کیاتو منشی نے دانت نکالے اور پھر ان کے ہاں جانے کی کتھاسنائی جو کہ یہاں لکھنے وبتانے کے قابل نہیں۔ جب برتن دینے کا وقت آیاتو منشی نے کہاجاتو دے آہم نے کہا کیو تم نہیں جاتے کہنے لگا مجھے جانتے ہیں۔

منشی جی کی ہمارے ساتھ ملاقات ہیں بہت طویل ہیں غرض کے وقت بہت کم ان کے ساتھ گزارا ہے مگر مرشد جی کے ساتھ گزرہواوقت کسی قیمتی وقت سے کم نہیں اب ہماری کوشش ہے کہ کم سے کم ان سی جی کے بارے میں لکھاجاسکے منشی جی کے بارے میں پہلے توان کی بہت سی منفی اور مزاحیہ باتیں لکھ ڈالی لیکن اب کوشش ہے کہ اب اہستہ ان کی نیک سرتی اور ایمانداری کی طرف ائیں بس چند لمحہ چند لمحے اور واقعات لکھنے کے بعد انشاء اللہ منشی جی کی نیک سرتی اور عبادت کی طرف چلیں گے منشی جی دھندے کے لحاظ سے بالکل پکے تھے پکے تھے منشی جی بڑے ناز سے کہا کرتے تھے بلکہ ہر وقت سنایا کرتے تھے مجھے اور بار بار مجھ سے کہتے تھے جاتو اپنے چاچے سے پوچھ وہ بھی توپٹواری ہے نابتا کیااس کے پاس گاڑی ہے کیاوہ روٹی باہر ہوٹل سے کھاتا ہے کیاوہ کپڑے دھوبھی سے دھلواتاہے نہیں نایہ اس کاکام ہی نہیں ہے ذرااس کے سامنے میرا ذکر توکرونا پھر دیکھو کیا کہتاہے میرے بارے میں اور منشی جی اکثر مجھے کہتے تھے تمہارا کوئی دوست کووہ کام وغیرہ میر اتعارف کرایا کہ نہیں اسے بتایاہے کہ نہیں کہ میرے پاس کتنامال

دولت ہے سارا کچھ مجھے جی کی ایک یہ خصوصیت تھی اسے اپنی تعریف بہت زیادہ پسند تھی تو مسجد میں۔

☆☆☆

ایک بزرگ جو تھے نا انہوں نے مجھے منشی جی کے ساتھ دیکھا تو پہلے سے مجھے کہہ دیا کہ حضور والا اپنا دھیان کرنا صحیح ادمی کبزرگ جو تھے نا انہوں نے مجھے منشی جی کے ساتھ دیکھا تو پہلے سے مجھے کہہ دیا کہ حضور والا اپنا دھیان کرنا صحیح ادمی کے ساتھ نہیں پھر رہے نقصان ہو گا تمہارا تو منشی نے انہیں 1500 روپے اور مکمل سارا کچھ بتایا کہ اس نے ہمیں کس طرح دھوکہ دیا اور کہا کہ یہ جو ہے نا کسی طریقے سے اپنا پیسے دوبارہ نکلوانا چاہتا ہے وہ صاحب بولے اور کہا کہ بھیا جو پیسے لگ چکے لگ چکے اب چھوڑ دو کیا جواریوں کی طرح مزید پیسے لگاؤ گے اور پھر ہار جاؤ گے اس میں جتنا تو اب تمہارا مقدر ہی نہیں اور چیز یہ بات سن کر راستے ہنستے اور جب بھی وہ بزرگ جو ہے نا ان کے پاس سے گزرتے تھے وہ میری طرف اشارہ کر کے کہتے تھے یہ بے وقوف اب بھی بیٹھا ہے پیسے نکلوانے کے ارادے سے بیٹھا ہے کہ کسی طرح پیسے نکلوالوں اسے سمجھاؤ یہ نہ ہو پھر سے کوئی

نقصان اٹھوالے تو ایک دن بزرگ نے ہمیں بٹھالیا اور ایک واقعہ سنانے لگے کہ مجھے ایک مرتبہ ملتان جانا تھا میرا بیٹا وہاں ملتان پڑھتا تھا رات کا وقت تھا تو میں گاڑی میں بیٹھا مگر ڈرائیور نے زیادہ کرایہ وصول کیا چونکہ میری مجبوری تھی کہ واپس ٹ ڈیرہ غازی خان تو جانا تھا میں وہاں بیٹھا تھا کے ساتھ والی سیٹ پر ایک ادمی وہاں بیٹھا اس نے مجھ سے کہا اج میں نے بہت بڑی نیکی کی میں نے پوچھا بھی کیا نیکی کی تو اس ادمی نے جواب دیا مولوی صاحب بس کیا بتاؤں کہ کتنی بڑی نیکی کی کہنے لگا کہ میں جو ہوں نا موٹر سائیکلوں کا کام کیا کرتا ہوں کہیں سے خریدی پھر بھیج دی اس صاحب نے بتایا کہ مجھے جلدی اندازہ ہو گیا کہ چوری کے موٹر سائیکل خریدتا اور بھیجتا ہے میں نے ساتھ بیٹھنے والے کو کہا کہ بھئی سائیکل تو چوری کے لیتے اور خریدتے ہو اس نے کہا کیا کروں اپنا گھر بھی چلتا ہے اور جو بھیج جاتا ہے اس کا بھی چل جاتا ہے اس نے کہا کہ ایک مرتبہ جو ہے نا میں نے ایک لڑکے کو ورغلایا کہ میرے ساتھ چلو بلوچستان چلو میں اس میں تمھیں اسلحے کی تربیت دیں گے تمہاری مکمل ٹریننگ کریں گے کیونکہ میں نے اسے راضی کر کے بہت زیادہ ورغلا لیا تھا اور میرا ارادہ تھا کہ اس کے والدین سے کوئی کروڑ روپیہ وصول کروں اور لڑکے کو اغواں لوں 1817 سال کا لڑکا تھا وہ بیچارہ جوش میں ایا ہوا تھا اور میرے ساتھ چلنے کو تیار تھا میں نے اس سے کہا کہ جاؤ بھائی گھر جاؤ اور سامان اٹھا کے لاؤ بس بلوچستان چلتے ہیں اس نے کہا ابھی ہم گاڑی میں بیٹھے ہی تھے کہ اس کے بوڑھے والدین میرے پاس اگئے اور بچے کو کہنے لگا بھائی بیٹا خدا کا نام ہے تم میرے ساتھ چلو جو مانگتے ہو تمہیں دیں گے لیکن نہیں جاؤ اس کے ساتھ تمہاری زندگی تباہ کر دیں گے بچہ نوجوان تھا جوش میں اکر کہنے لگا نہیں نہیں میں تو اس کے ساتھ ہی

جاؤں گا یہ سن کر میں نے دل میں سوچا بوڑھے والدین ہیں اگر یہ اگر میں ان کا بچہ لے گیا تو ان کے پاس تو بچے کا کچھ بھی نہیں یہ بیچارے تو مر جائیں گے پھر میں نے اپنا منصوبہ بدل لیا اور لڑکے کو جانے کا کہہ دیا اور اس نے کہا کہ بس تمہاری خدمت یہ ہے کہ والدین کی خدمت کرو اور اس لڑکے کو چھوڑ دیا بتا مولوی صاحبہ نے کتنی بڑی نیکی کی اس بزرگ نے کہا میں نے اس سے کہا ہاں ابھی واقعی تم نے بہت بڑی نیکی کی ہے تم بڑے اچھے ادمی ہو بتاؤ تم نے لڑکے کو مطمئن کیسے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا اس کام میں ٹی ٹی ہوں۔ بزرگ نے کہا منشی تمھیں بس ادمی چاہیے تم بھی ٹی ٹی ہوں۔ پھر بزرگ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اس کا ساتھ چھوڑ دو میرا بڑا بیٹا بھی اس کا دوست بنا۔ میں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہوں۔ تو دونوں نے ہاتھ میں ہاتھ دیے کہاں کہ املی کا جوس پینے بس پھر آج کے بعد رگڑا کھانے کے بعد بات بھی نہیں کرتے۔

منشی نے بزرگ کے جانے کے بعد کہاں بڑا ہوشیار بنتا تھا اس کا لڑکار کھا کٹ اب پچھتا تا ہے کی سال ہو گے بات نہیں کرتے جاؤنہ کرو بات میرا کیا بگڑ تا ہے میں نے ایک ہزار کا کام سات ہزار میں کیا بس پھر صاحب کی بس ہو گئی۔ اب بولتا نہیں۔ منشی نے پھر دانت نکالے۔

☆☆☆

منشی جی ہنسانے میں ملکہ رکھتے تھے

ایک مرتبہ اکھٹے کھانے گھا رہے تھے کہ ہنسانا شروع کر دیا پہلے تو برداشت کیا مگر جب پانی پی رہا

تھا تو پھر منشی جی کو شرارت سوجی اور اس نے کوئی بات چھیڑ دی نتیجہ کے طور پر ہمارے منہ والا پانی فوارہ کی طرح منشی جی کے منہ پر جا گرا۔ اب منشی جی کہ حالت دیدنی تھی گالیاں دیتے آٹھ کھڑا ہوا۔

آئندہ میرے ساتھ مت بیٹھنا نکل جاو۔

منشی جی نے ہر جگہ ایک ریکارڈ بنایا ہوا تھا

بال کٹوانے حجام کے پاس جانا ہوا تو وہ پوچھتے ہیں استاد کدھر ہے ؟

میں نے پوچھا منشی جی ؟

کہتے ہاں۔

حضرت وہ تو تونسہ شریف چلا گیا۔

وہاں کیا کرتا ہے۔ یہاں تو کچہری میں عوام کو لوٹتا تھا۔

ہاں بس اب وہاں کاروبار کرتا ہے۔

حجام وہ جی بڑا سیانا ادمی ہے ہر جگہ چالو ہوتاہ۔

منشی جی کے والد سے ہماری اچھی یاد اللہ ہے

آئے گئے ملاقات ہوتی ہے

بڑی زبردست ادمی ہیں۔ کام کے ماہر شریف آدمی۔ میری بڑی عزت کرتے ہیں اور تعلیم کا

پوچھتے ہیں۔

گو کہ دفتری کام ہو تو ہر جگہ ساتھ دیتے ہیں۔

منشی جی کو اپنے مشہوری سے بڑی غرض تھی سو آئے جائے جگہ اپنی داستانیں ہنس ہنس کر سناتے تھے۔

سب کے ساتھ ان کی مذاق

باتوں میں اپنا ملکہ رکھتے تھے گو کہ شاید ہی کوئی ہو جو ان کا معترف نہ ہو

حالیہ دنوں میں ملاقات ہوئی تو جیبیں ٹٹولنے لگے کہ او خرچہ کرو۔

ہم نے عرض کیا کونسا مہمان بن کر آئے ہو

مگر منشی جی ڈھیٹ نکلے۔ گالیاں اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے بچے ہوئے تھے وگرنہ کوئی غصیلے بندہ ان کا کام تمام کر دیتا۔

منشی جی عبادت میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے

کبھی فرض نماز قضا نہیں کی

اور ہر نماز مسجد میں اکر ادا کی

سو نماز روزہ تراویح میں ان کا کوئی سانی نہیں تھا بلکہ نہیں ہے

نماز کے بعد حضرت وظیفے پڑھنے بیٹھ جاتے

ایک مرتبہ میں نے پوچھا استاد جی کیا پڑھتے ہو۔ کہنے لگا وظیفے پڑھتا ہو رزق ایسے تھوڑی ملتا ہے

تم بھی پڑھا کرو

مگر میرا دل درود شریف کے علاوہ لگتا نہیں تھا

اور منشی جی قرآن کی سورتیں بھی پڑھتے

مسجد میں عبادت کیلئے وقت نکالتے اور عبادت کے وقت کام کو دور کر دیتے

مجھے بھی وظیفے یاد کرائے کہ پڑھا کرو

اور خود بھی بیٹھے رہتے

عبادت سے خصوصی دلچسپی تھی

بقول ان کے نماز ہمشیرہ مسجد میں پڑھنی چاہیے چاہے کچھ بھی ہو جائے

مجھے وظیفے یاد کرائے تھے مگر تعلیم کی مصروفیات کی وجہ سے اب سب کچھ بھول بٹھا ہو۔

اب بھی منشی جی سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

جب بھی وہ آتے ہیں پہلے بتا دیتے ہیں کہ آرہا ہو ملاقات کو آجانا

منشی جی جیسے انسان یہاں بہت کم ہیں

زندہ دلی کوئی ان سے سیکھے

گو چند خرابیاں ہیں لیکن اتنی نہیں کہ کوئی برا کہے کیونکہ وہ جان بوجھ کے ہسانے کیلئے کرتے

ہیں۔

منشی جی کو خدا پر اعتبار سب سے زیادہ ہے۔

رزق کے حوالے سے کبھی پریشان نہیں ہوئے

بلکہ ہمارا بھی حوصلہ بڑھاتے کہ رزق کے حوالہ سے پریشان نہیں ہونا۔

منشی جی کو شاید معلوم نہیں تھا کہ کس کم بخت کے ساتھ آملا جس کا تعلق ادب سے ہے اور ادبی لوگوں کو خصوصی کیڑا ہوتا ہے کہ ہر چیز کو لکھا جائے

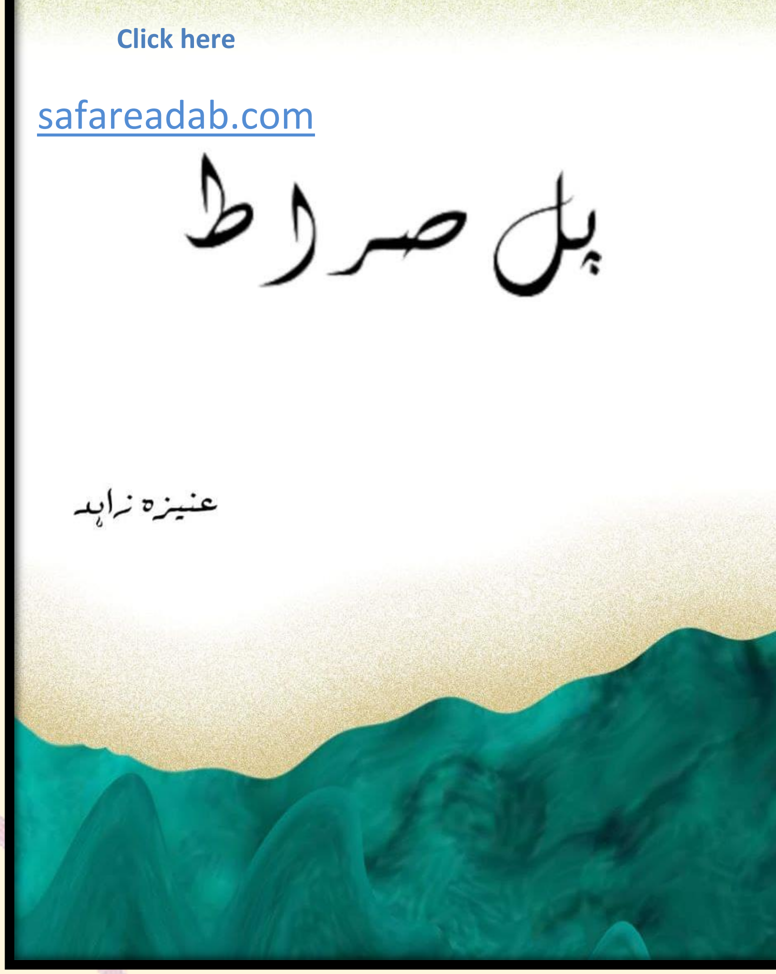
گو آج کل کتابی کی اشاعت اور قاری بہت کم ہو گئے مگر کسی چیز کا وجود ختم نہیں ہوتا ہے

دنیا میں ایک اصول ہے قدرت کا جس چیز کو دبایا یا ختم کیے جانے کی کوشش کی جاتی ہے وہی مزید ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اور مزید پھیل جاتی ہے

اس طرح کہ کتابیں کم ہوتی جا رہی ہیں یا سوشل میڈیا انہیں ختم کر رہا جلد یہ مزید وجود میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ۔

اگر زندگی نے مہلت دی اور منشی جی سے ملاقاتیں ہوئی تو انہیں بھی جلد قلم بند کرنے کی کوشش ہوگی۔

سمیع بزدار



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آگئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔



"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔





"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول تنہائی کی ایک جھلک

بابا جانتے تھے کہ ارسلان خان عمار خان کا بیٹا ہے پھر بھی انھوں نے۔۔۔" وہ بہت دکھی اور پریشان لگ رہی تھی۔" دیکھو! وہ تمھارا بھلا چاہتے تھے۔ انکل آنٹی اور عبد الرحمن کے بعد تم اکیلی تھی اس لیے۔۔۔" ہاجرہ نے اس کی بات کاٹی۔" اکیلی تھی تو سوچا کیوں نا اسے مزید اکیلا کر دیا جائے! او خدایا!!" وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دیے اب کہ سن بیٹھی تھی۔ اسے لگا وہ پاگل ہو جائے گی۔ کیسے کر سکتے ہیں وہ اس کے ساتھ ایسا۔

"تم مجھے کرنل گیلانی کا پتہ دے سکتی ہو میں صرف ایک بار ان سے ملنا۔۔" ہاجرہ کی بات پر وہ بھڑکی تھی۔۔

" وہ مر چکا ہے! مار دیا ہے اس درندے نے میرے باپ کو!!" وہ دھاڑی تھی۔ اس کی آواز میں صدیوں کا چھپا دکھ نظر آ رہا تھا۔ ہاجرہ کو لگا اگر اب وہ ہلی تو گر جائے گی۔



کرنل گیلانی اس کا استاد ہی نہیں بلکہ اس کی ماں کا بھائی بھی تھا!!

"عمار خان نے تمھارے ماں باپ اور بھائی کا قتل کیا تھا۔ تمھاری ماں کی اس حالت کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔

تمھیں اس سب سے گزارنے کا ذمہ دار عمار خان، تمھارا سگا سسر ہے۔ یہ سب جاننے کے باوجود بھی ابو نے تمہاری شادی اس کے بیٹے سے کر دی۔ انہیں معاف کر دو۔ وہ تمھارا بھلا چاہتے تھے۔۔۔" افنان کی بات پر وہ حیران ہوئی۔

"مگر وہ تو مر چکا ہے۔۔"

اس کی مردہ آواز آئی۔

"کس نے کہا وہ مر گیا ہے۔۔۔ وہ زندہ ہے۔۔۔۔ یوں جیسے کوئی حقیقت ہو۔۔ یوں جیسے کوئی بھیانک سچ ہو۔۔۔۔۔

جو آہستہ سے آ کر آپ کی جان نکال لے اور آپ اسے روک بھی نہ پاؤ!!

تم جاؤ یہاں سے۔

میں اس کے قتل کی گواہ ہوں! وہ تمھارے ذریعے مجھ تک پہنچ جائے گا۔"